سوال نمبر 2 (الف) (i) **دوسرے دور کی اہم پیش رفت -** دوسرے دور کی

اہم پیش رفت یہ تھی کہ اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔
اسلام دریائے سندھ کے کناروں تک حکومت کر رہا تھا اور سینکڑوں
قبیلے عرب سے نکل کر دور دراز ملکوں میں پھیل رہے تھے۔ لیکن اس
وسیع دنیا میں سلطنت کی طرف سے تعلیم کے حوالے سے کوئی
مؤثر اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔ مگر علوم و فنون پھر بھی تیزی سے بڑھتا
گیا اور علم علما کے اپنے ذاتی مکانات میں حاصل کیا جاتا تھا۔

سوال نمبر2 (الف) (ii) **تعلیم کی سرپرستی میں حکومت کا کردار۔**

اسلام کا دائرہ وسیع ہونے کے باوجود اسلامی حکومت نے تعلیم کے لیے کوئی اقدامات نہ اٹھائے۔ نہ مدارس بنوائے نا عربی زبان کے فروغ کی کوشش کی۔ یہ اس لیے ہے کہ حکومت اس قدر بے تعلق اور اوپری ہے کہ اسے قوم کی عام اخلاقی، معاشرتی اور تمدن پر فارغ قوم کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ انھیں صرف حکومت کرنے سے غرض ہے۔ وہ عام عوام کی خوشحالی کے لیے چنداں نہیں سوچتے۔

سوال نمبر 2 (الف) (iii) اس دور میں علوم و فنون عربی زبان میں رائج تھے۔ اور
اس زمانے میں مشہور تعلیمی مراکز مرو، ہرات، نیشاپور، بخارا،
فارس، بغداد، مصر، شام، اندلس کے ایک ایک شہر بلکہ
ایک ایک گاؤں تھا۔ مزید یہ کہ مسجدوں کے صحن، علماکرام
کے اپنے ذاتی مکانات اور سادہ خانقاہوں کے حجرات میں بھی
تعلیم دی جاتی تھی۔

سوال نمبر 2 (الف) (iv) حکومت کی عدم دلچسپی کے باوجود تعلیمی تناسب میں اضافے کی وجوہات یہ ہیں:

(1) بڑے بڑے اسلامی ممالک کے چھوٹے سے چھوٹے شہر علم کی صداؤں سے گونج اٹھے۔ عام تعلیم کے لیے ہزاروں مکاتب قائم کیے گئے جن میں سلطنت کا کوئی حصہ نہ تھا۔ یہ علم کے مفید مراکز تھے۔

(2) علما اپنے گھروں میں، مسجدوں کے صحنوں میں اور خانقاہوں کے حجرات میں تعلیم دیا کرتے اور یہ تعلیم ~~معیاری~~ معیاری تعلیم ہوتی تھی۔

سوال نمبر 2 (الف) (۷)

تلخیص

دائرۂ اسلام کے وسیع ہونے کے باوجود فاتح حکمرانوں نے علم کی ترویج کے لیے کوئی
مؤثر اقدامات نہ اٹھائے مگر ہزاروں کی تعداد میں تعمیر کیے گئے مکاتب،
مسجدیں، خانقاہیں اور علما کے اپنے گھر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ بنے
جس کی بدولت مرو، بغداد، بخارا، مصر، شام وغیرہ جیسے
ممالک علم کی روشنی سے منور ہو گئے۔

سوال نمبر 2 (الف) (vi)

سوال نمبر 2(ب) (i) اس بند میں شاعر نوجوانوں سے مخاطب ہے اور انھیں یہ ترغیب دے رہا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اپنی جان کی فکر کیے بغیر اپنے وطن کی عزت و ناموس کو بچانے کے لیے دشمنوں پر ٹوٹ پڑو چاہے تم اپنی جان سے ہی کیوں نہ ہاتھ دھو بیٹھو۔ پس قربانی دینے سے مت ڈرنا اور اپنے تلوار کے جوہر دیکھاتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ اور کفار کی تمام صفیں الٹا دو۔ تمہارا وطن اپنی سلامتی کے لیے تم ہی پر منحصر ہے۔

سوال نمبر 2(ب) (ii) **مرکزی خیال۔**

اس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ہمیں اپنی جان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ اپنے وطن سے محبت کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے کہ اگر وطن پر کوئی کڑا وقت آتا ہے تو ہمیں اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر دشمنوں پر چڑھ جانا چاہئے۔ کیونکہ ہمارے وطن کی سلامتی اور اس کی بقا بھی اسی میں ہے کہ وطن کو دشمنوں سے پاک کیا جائے۔ مزید یہ کہ مجاہدین کو ایسی کاری ضرب لگانی چاہیے کہ آئندہ انھیں دیکھتے ہی کفار کو اپنی موت کا پیغام مل جائے۔

سوال نمبر 2(ب) (iii) **مفہوم۔** اس تیسرے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اے نوجوانوں تم اپنے تلوار کے جوہر دکھاتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے جاؤ اور کفار پر ایسی کاری ضرب لگاؤ کہ انکی صفیں الٹ جائیں اور اگر آئندہ تمہیں یا تمہاری تلوار کو دیکھیں تو انھیں اپنی موت کا پیغام مل جائے۔

سوال نمبر 2 (ج) (i) عشق ایک ایسا کھیل ہے جس میں انسان نہ

جیتتا ہے نہ مرتا ہے۔ دونوں طریقوں سے وہ امر ہو جاتا ہے۔

اگر وہ جیتے گا، تو محبوب کا قرب حاصل کرے گا جو کہ اسکی

زندگی کا نصب العین ہے۔ اور اگر ہارے گا تو اسکی کوشش ناکام

نہیں ہوئی بلکہ وہ تمام کاوشیں اسکی عزت و ناموس

میں اضافہ کرتی ہیں اور وہ امر ہو جاتا ہے۔ لوگ اسے اس کی

کوششوں اور مستقل مزاجی کے تحت جانتے اور پہچانتے ہیں۔

لہذا وہ ہارتا نہیں ہے بلکہ امر ہو جاتا ہے۔ اور یہ ہار اسکی

عشق کے پیمانے کو طول دیتی ہے۔ پس دونوں کو ایک جیسا

مقام حاصل ہے۔

سوال نمبر 2 (ج) (ii) درد ہجر میں انسان کی زندگی بے رونق ہو جاتی ہے۔
اسکی دل کی دنیا تباہ و برباد ہو جاتی ہے کیونکہ اسے دیدار محبوب
نہیں ملتا۔ وہ غم و الم کی حالت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
اور دنیا کی کوئی چیز اسکی خوشی کا باعث نہیں بنتی۔ پس
وہ ایک پتھر کی مانند بن جاتا ہے۔ یہاں پر شاعر نے پتھر کی
تشبیہ استعمال کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس کے اندرونی
حالت کس طرح کے ہیں۔ کہ بالکل جیسے کوئی پتھر کوئی چیز
محسوس نہیں کرتا بالکل اسی طرح اس کے اپنے جذبات بھی
اپنی موت آپ مر گئے ہیں۔

سوال نمبر 2(د) (i)

الف- دی ("دینا" سے مشتق)

ب- چاہتا ("چاہنا" سے مشتق)

ج- گیا ("جانا" سے مشتق)

سوال نمبر 2 (د) (ii)

مطلع۔ "غزل یا قصیدے کا پہلا شعر جس میں دونوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہو بالخصوص ہم قافیہ، اس شعر کو مطلع کہتے ہیں۔" اس کے لغوی معنی ہیں **طلوع ہونے کی جگہ۔**

امثال۔ ؎ ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

اس میں "حباب اور سراب" قوافی جبکہ "کی سی ہے" ردیف ہے۔

؎ کب ہاتھ میں تیرا ہات نہیں کب بات میں تیرا ساتھ نہیں
صد شکر اپنی راتوں کا کہ اب ہجر کی کوئی رات نہیں

اس میں "بات اور رات" قوافی ہیں۔

؎ آ کر پھر جو میر چمن میں دو چار گرے
جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پس دیوار گرے

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 1)

تشریح- زیر تشریح اقتباس سبق "منظور" سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق کے درمیانی حصے سے لیا گیا ہے۔ اس میں مصنف ایک بچے کی کہانی بتاتے ہیں جس کے نام سے اس سبق کا نام آخذ ہے۔ وہ بچہ اپاہج تھا اور چل نہ سکتا تھا مگر اتنا پر امید تھا کہ اسکی ہنسی مکھ عادت کی بدولت اسکے اردگرد لوگوں کو بھی اپنے سخت اوقات میں خوشیاں ملتی تھی۔ اس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ حالات چاہے جیسے بھی ہوں۔ انسان کو پر امید رہنا چاہیے اور مایوسی نہیں اختیار کرنی چاہیے۔

زیر تشریح اقتباس میں شاعر مصنف کہتے ہیں کہ اختر اور منظور کی دوستی چند ہی لمحات میں اسقدر بڑھ گئی کہ گمان ہونے لگا کہ کہیں وہ ایک دوسرے کو زمانے سے جانتے ہوں۔ اختر دل کی مرض کی بدولت ہسپتال میں داخل تھا۔ وہ جب بھی درد محسوس کرتا تو مایوسی کے بادل اس کے اردگرد گرجنے لگ جاتے اور وہ اپنی زندگی سے تنگ آ کر امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا۔ مگر منظور کی اچھی اچھی اور دل کو خوش کر دینے والی باتیں اسکی طبیعت کو معطر کر دیتیں۔ گویا اختر نے منظور کو کسی مسیحا کا رتبہ دے دیا جس نے اسے اندھیرے سے نکلنے میں مدد کی اور اسے دوبارہ زندگی عطا کی۔ یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب بھی اختر کو دل کا دورہ پڑتا تو وہ اس قدر تکلیف میں ہوتا کہ منظور سے وہ دیکھا نہ جاتا اور وہ ہر وقت اس کی صحت یابی کی دعا مانگتا رہتا گویا اختر کے مطابق یہ منظور کی دعا ہی تھی جس

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 2) نے اسے زندگی بخشی۔ اور اس کے دل و دماغ سے
وہ تمام مایوسی کے کالے بادل ہٹا دیے جن کے سائے
میں آکر اختر ~~ابو~~ مایوسی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس
میں زندگی کو جینے کی لگن ختم ہوگئی تھی۔ ان بادلوں کے سائے
تلے وہ ایک گھٹی ہو زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔ مگر اس کے
ساتھ بستر پر لیٹے منظور کی دلکش اور معطر باتوں نے
اسے قنوطیت کی کیفیت سے نکال کر رجائیت کی جانب
راغب کر ڈالا۔ اسکے غم خوشیوں کا روپ دھارنے لگے۔
اور اب اسے زندگی میں دوبارہ دلچسپی ہونے لگی۔ وہ
پھر سے پر امید ہو گیا۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویران سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اب اختر کا جی چاہتا تھا کہ وہ زندگی کو کھل کر جیے اور
بالکل ٹھیک ہوکر ہسپتال سے نکلے اور ایک صحت مند
زندگی بسر کرے۔

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1)

تشریح۔ تشریح طلب اشعار کا بند نظم "جلوۂ سحر" سے لیا گیا ہے۔ اس میں شاعر صبح کے وقت مرتب ہونے والے حالات و واقعات کی تصویر کھینچتے ہیں اور ان کا اثر انسانی زندگی پر بیان کرتے ہیں۔

تشریح طلب نظم بند میں شاعر کہتے ہیں کہ صبح کا وقت اتنا پر سکون ہوتا ہے۔ آسمان پر سفیدی اور سیاہی کا تصادم ہوتا ہے۔ چڑیاں چہچہاتی ہیں، ابساروں کے گرنے کا ترنم انسان کے کانوں میں ایک گیت کی مانند سنائی دیتا ہے۔ پانی کے قطرے ایک سفید موتی کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ ہر چیز معطر اور خوبصورت رعنا ہوتی ہے۔

شعر

چلا ستارۂ سحر سنا کے صبح کی خبر
زمیں پر نور چھا گیا فلک پہ رنگ آ گیا

اس شعر میں وہ صبح کی اہمیت کو اب بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ صبح کا وقت آقا اور اسکے غلام کا سب سے قریب ترین وقت ہوتا ہے۔ انسان اپنے خالق و مالک کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ اسکا رشتہ اپنے رب کے ساتھ اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ اور یہی وہ وقت ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو خدائے رحمان اسے معاف کر دیتا ہے۔ اور اگر انسان نادم و شرمندہ ہوکر معافی مانگے تو نا صرف خدا اسے معاف کر دیتا ہے بلکہ اسکی تمام پریشانیاں آسان کر دیتا ہے۔ صبح کا وقت دن کا وہ حصہ ہے جس میں تمام افراد کے دل غموں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ سورج کی کرنوں سے نہ صرف نور پھیلتا ہے بلکہ ہر طرف خوشیوں کا ساماں برپا ہوتا

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 2) ہے۔ بس لوگوں کے دلوں سے ہم زندگی نکل جاتا ہے۔
ہر طرف اللہ تعالی کی رحمتیں چھائی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہر
طرف اللہ تعالی کے جلوے دیکھائی دیتے ہیں۔ یہ جلوے
انسان کو اسکے خدائے رحمان کی یاد دلاتے ہیں۔ ہر طرف
لوگ اپنے اپنے طریقوں سے محو عبادت ہوتے ہیں۔ اور نہ
صرف لوگ بلکہ چرند پرند بھی اللہ کی حمد و ثنا بیان کر
رہے ہوتے ہیں۔

کہ انساں زمیں پر محو ملک آسماں پر
جاری تھا ذکر قدرت حق ہر زباں پر

ہر بس ہر اطراف میں رحمتیں ہی رحمتیں چھائی ہوتی ہیں۔
اور کیونکہ صبح کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت بھی ہوتا ہے۔
لہذا ہر شخص عبادت میں مصروف ہوتا ہے۔ اور اس
وقت کسی کی بھی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ وہ سوتا
رہے بلکہ ہر شخص اپنے خالق و مالک سے اپنے گناہوں کی
معافی طلب کرنے کے لیے جاگ اٹھتا ہے۔ لوگ سجدوں
میں روتے گڑگڑاتے ہیں۔ اپنے رب کے حضور اپنی پیشانی
جھکاتے ہیں۔ صبح کے وقت انسان کو رونے اور آہ و فغاں
کرنے میں بھی لطف ملتا ہے کیونکہ وہ اپنی تمام مصیبتیں رب کے
سامنے پیش کرتا ہے۔ اور ان کی آسانیوں کا طالبگار ہوتا
ہے۔ بس خدا اس کے قریب ہوتا ہے۔ اور وہ اس
کے حضور رو کر اور اپنا دل ہلکا کر کے اپنے دن کا
آغاز کرتا ہے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1) **مفہوم**- لوگوں نے پھل حاصل کرنے کے لیے پیڑ کو پتھر مارے- وہ پتھر میرے صحن میں آ کر گرے جبکہ انکی گود میں پھل-

تشریح- اس شعر میں "شکیب جلالی" سادگی کا ذکر کر رہے ہیں کہ سادگی اپنانا اور لوگوں کو تکلیف نہ دینا انکو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا- یہ بات مشہور ہے کہ جہاں پھل دار پیڑ ہوں گے، وہاں پتھر تو گریں گے ہی گریں گے- پیڑ اتنا سخی ہے کہ اپنے اوپر پتھر پھینکنے والوں کو پھر بھی اپنا پھل دے دیتا ہے- یعنی لوگوں کے برے رویوں کے باوجود انھیں فائدہ پہنچاتا ہے- یہی حال شاعر کا بھی ہے- شاعر کہتا ہے کہ میں نے پوری زندگی لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا- اپنا ظرف بڑا رکھا- لوگوں کی برائی کا جواب برائی سے نہ دیا بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہا- مگر اس اچھے سلوک کا مجھ ذاتی طور پر کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ لوگ پھر بھی مجھ پر ظلم ڈھاتے رہے- مجھے برا بھلا کہتے رہے جبکہ میں انکی خوشحالی کا متمنی تھا- میرے ساتھ ہر برا کام منسوب کر دیا گیا - وہ مجھ پر طنز کے نشتر برسائے گئے مگر میں پھر بھی انکو فائدہ پہنچانے کے لیے کوشاں رہا- یہ حقیقت بھی ہے کہ انسان کی خوش اخلاقی اور اسکی دوسروں کے لیے محنت اور نیکی اکثر کوئی فائدہ نہیں پہنچاتیں -

بقول شاعر

ے جو برائی تھی میرے نام سے منسوب ہوئی
دوستو کیا اتنا برا تھا میرا اچھا ہونا

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 2) **مفہوم**۔ اگر مجھے شکست کھانی ہے تو میں اپنے ہی دل میں کھاؤں گا۔ جس طرح ایک دیوار اپنے سایے میں بغیر کسی سہارے کے گرتی ہے۔

تشریح۔ اس شعر میں شاعر خودداری کا درس دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثال دے کر کہتے ہیں کہ جب کوئی دیوار گرتی ہے تو وہ اپنے ہی سائے میں گرتی ہے۔ کسی دوسری دیوار پر اعتبار نہیں کرتی اور نہ ہی کسی دوسری دیوار پر گرتی ہے۔ بالکل اسی طرح۔ اگر مجھے کبھی اپنی شکست تسلیم کرنی ہو۔ تو میں کبھی بھی کسی دوسرے کا سہارا نہ لوں گا۔ بلکہ خود اپنے دل میں ہی اپنے حالات کے سامنے گھٹنے ٹیکوں گا۔ اپنی شکست کا واویلہ مچاتا نہ پھروں گا۔ بلکہ کسی کو بھی اپنا ہم راز نہیں بناؤں گا۔ کسی دوسرے پر بھروسہ نہیں کروں گا۔ کیونکہ کسی دوسرے کا کیا۔ وہ میری شکست کس کس کو جاکر بتاتا پھرے۔

انسان اکثر حالات کے سامنے اس وقت گھٹنے ٹیکتا ہے جب حالات مسلسل اسکی مخالف سمت میں چل رہے ہوں۔ اور جب انسان مسلسل ایک ہی حالات کا سامنا کرتا ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور اس کی آخری شکل حالات کے سامنے اپنی شکست تسلیم کر لینا ہے۔

مزید یہ کہ اگر اسے عشق کے تناظر میں دیکھیں تو عاشق کو مسلسل ناکامیاں اور محبوب کا دلبرانہ انداز اسکے دل کی دنیا کو اتنا ویران کر چکا ہے کہ اب اسے مزید عشق کی وادی میں سفر نہیں کرنا اور وہ اپنی شکست تسلیم کرتا ہے۔ مگر وہ اسکا واویلہ کسی طور پر نہیں مچائے گا۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3) **مفہوم۔** ستارے جو ہر طرف روشنی پھیلاتے ہیں جب میرے گھر میں آکر گرے تو اپنی روشنی چھوڑ کر آگئے۔

تشریح۔ اس شعر میں شاعر نے انسانی زندگی کے غم و آلام کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ ستارے جو پوری دنیا کو روشن کرنے میں مگن تھے۔ جب ٹوٹ کر میرے گھر کے صحن میں گرے تو انکی چمک باقی نہ رہی بلکہ وہ گرتے ہی بکھر گئے اور اپنے سیاہ نشان چھوڑ گئے۔ یہاں پر شاعر اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ اس کی قسمت اس قدر خراب ہے کہ پوری دنیا کو روشن کرنے والے ستارے اسکے صحن کو روشن نہ کر سکے۔ انسانی زندگی میں اکثر غم و خوشی متبادلہ طور پر آتی ہے۔ کبھی غم کے لمحات ہوتے ہیں کبھی خوشی کے۔ مگر چند بدنصیب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی میں غم کے علاوہ اور کچھ نہیں آتا۔ ابھی ایک تکلیف ختم نہیں ہوتی تو دوسری مصیبت آن پڑتی ہے۔ اس صورت میں انسان مایوس ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ یہ زندگی کیا شے ہے۔

زندگی ہے یاں کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اسی طرح اگر اس عشق کے میدان میں دیکھیں تو مسلسل ناکامیاں، اور محبوب کا ظلم و ستم عاشق کو اس قدر تھکا دیتا ہے کہ اسکے دل میں اندھیروں کے بادل چھا جاتے ہیں اور وہ بھی تیرگی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ اس شعر میں شاعر نے "داغ کے قطرہ" ستاروں کے لیے استعمال کیا ہے۔

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 1)

بخدمت جناب سیکرٹری یونین کونسل، شہر ا-ب-ج!

عنوان- محلے میں صفائی کی ناقص صورتحال کی بدولت ہر طرف گندگی کا پھیلاؤ۔

جناب اعلیٰ!

گزارش ہے کہ میں گاؤں ب-ج-د، ضلع د-ذ-ر سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرا گاؤں شہر کے وسط میں شمار ہے۔ میرے گاؤں میں صفائی کی ناقص صورتحال پائی جاتی ہے۔ میرے محلے میں ہر کونے پر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر جمع ہوتے ہیں۔ ان کوڑے کے ڈھیروں پر بے شمار بیماروں کے مادے جنم لیتے ہیں۔ ان کے اوپر بے شمار مکھیاں بیٹھتی ہیں جو کہ ان جراثیم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر کے گاؤں میں بیماریوں کی تعداد اور مریضوں کی شرح میں بہت زیادہ اضافہ کر رہا ہے۔ یہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر ہفتوں ہفتوں تک جمع رہتے ہیں اور ان کی صفائی کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔ جمعدار عرصے بعد آکر گھروں سے کوڑے اکٹھا کر کے لے جاتے ہیں اور سڑکوں کو صرف اس وقت جھاڑو پھیرتے ہیں جب کوئی اعلیٰ مقام پر فائز شخص نے اس جگہ سے گزرنا ہو۔ یہ کوڑوں کے ڈھیر نہ صرف پورے محلے میں گندگی پھیلا رہے ہیں بلکہ یہ آلودگی کا بھی سبب ہیں۔ ان سے زمینی، آبی اور فضائی غرض کہ ہر طرح کی آلودگی کے پھیلنے کے امکانات ہیں۔ کوڑے میں موجود شاپر زمین کی زرخیزی کو متاثر کر رہے ہیں۔ جب یہ کوڑا آندھی کے باعث بندی نالوں میں گر جاتا ہے تو عام شہریوں کو

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 2) صاف پینے کا پانی میسر نہیں آتا۔

پس میری گزارش ہے کہ ہمارے محلے میں صفائی کے نظام کو یقینی بنایا جائے۔ روز کوڑا اٹھایا جائے تاکہ محلے میں رہنے والوں کی زندگی آسان اور صحت پر کوئی اثر نہ پڑے۔ مزید یہ کہ ہمارے گاؤں میں "واٹر فلٹر" لگوایا جائے تاکہ اگر پانی آلودہ بھی ہو جائے تو شہریوں کو پینے کے لیے صاف پانی ملے۔

امید ہے کہ آپ میری اس درخواست پر غور فرمائیں گے اور ضروری اقدامات اٹھائے جائیں گے۔

عین نوازش ہوگی!

۱۵ مئی ۲۰۲۴ء

العارض

آپکی توجہ کی طلبگار

م۔ل۔ع

حب الوطنی کے تقاضے

حب الوطنی سے مراد وطن کے لیے محبت ہے۔ انسان جدھر پیدا ہوتا ہے وہ اُس جگہ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ یہی محبت حب الوطنی کہلاتی ہے کیونکہ جو شخص جہاں پیدا ہوا ہے وہ اسکا وطن ہے۔ یہ حب الوطنی کے جذبات ہی ہوتے ہیں جو قوموں کو جوڑ کر رکھتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں کو جوڑتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ایک وطن کے لوگ ایک جیسے ہوں۔ بلکہ اکثر میں بہت واضح فرق ملتا ہے۔ مگر، جو بھی انکے اختلافات ہوں، وہ اپنے وطن سے پیار کی بدولت وہ تمام اختلافات بھلا بیٹھتے ہیں اور اپنے وطن کی ترقی کے لیے کام کرتے ہیں۔

جذبۂ حب الوطنی محض ایک نعرہ ہی نہیں ہے بلکہ اسکے تقاضے بہت سخت ہیں۔ وطن سے محبت بے لوث قربانیاں مانگتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی وطن کسی دشمن کے زیر نگین آگیا ہو تو اس کے باسیوں پر لازم گزرتا ہے کہ وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اپنے وطن کے دشمنوں سے لڑیں۔ اس کے دشمنوں کو شکست دیں۔
اپنی جانیں لٹا دیں صرف اور صرف اس لیے تاکہ اسکے وطن کے کھیتوں کی ہریالی اور فضاؤں کی آزادی برقرار رہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2) کیونکہ جب کبھی کوئی دشمن کسی وطن پر حملہ کرتا ہے تو اسکی تمام تر رنگینی اور خوشیاں چھین لیتا ہے۔ اسکے باسیوں کے لیے مشکلات کا پہاڑ ہموار کر دیتا ہے۔ ایسے میں حب الوطنی یہ مانگتی ہے کہ افراد قوم دل ہار کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ اپنے گھروں سے نکلیں اور سرحدوں پر جاکر اپنے وطن کی عزت اور اس کی بقاء کے لیے لڑیں۔

ے نثار کر دو اپنی جاں وطن کے پاک نام پر
لٹا دو عمر نوجواں وطن کے پاک نام پر

حب الوطنی صرف بے لوث قربانیاں ہی نہیں مانگتی بلکہ جو شخص حب الوطنی کا دعویٰ کرتا ہے اسے چاہیے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو چھوڑ کر وطن کے مفاد کے لیے کام کرے۔ وطن کی ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ اس میں اگر اسے چاند تارے بھی توڑ کر لانے پڑیں تو اس سے بھی گریز نہ کرے۔ بلکہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔ قربانی دینے سے گریز نہ کرے۔

اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو حب الوطنی کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر انکا دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے۔ وہ اندر ہی اندر سے ضمیر فروش ہوتے ہیں جو تھوڑی سے قیمت ادا کرکے وطن کو فروخت کر دیتے ہیں۔

وطن سے محبت کے تقاضے یہ بھی ہیں کہ ہم اپنے وطن کا ایک اعلیٰ مقام و مرتبہ بنائیں۔ اس کے نام پر کوئی بھی

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 3) داغ نہ آنے دیں۔ کوئی ایسا عمل نہ کریں کہ جس سے وطن کی عزت خاک میں مل جائے۔ بلکہ اس بات کی کوشش کریں کہ ملک کے افراد میں یکجہتی اور الفت کے جذبات رونما ہوں۔ وطن سے محبت کے یہ تقاضے ہیں کہ ہم ہر شعبے میں ترقی کریں۔ ہر شعبے میں اپنا نام بنائیں۔ بلکہ اپنے وطن کا نام روشن کریں۔

وطن سے محبت یہ ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم اپنے وطن کے لوگوں کو انتشار سے بچائیں۔ لوگوں کو فرقے میں بٹنے سے روکیں ایک ایسا معاشرہ قائم کریں کہ جس میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ جس میں بھائی چارہ ہو۔ لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنا پسند کرتے ہوں اور لوگوں کے درمیان محبت اور برداشت کے جذبات پنپتے ہوں۔ مگر اگر ہم آج اپنے وطن پاکستان کو دیکھیں، تو ہمارا ملک زوال پذیر ہے۔ ہم وطن سے محبت تو کرتے ہیں بلکہ وطن کی محبت میں نغمے اور نظمیں بھی لکھتے ہیں مگر کسی بھی وطن کی محبت صرف کاغذ پر لکھے گئے الفاظ تک محدود نہیں ہے۔ ہم دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ہمارا دعویٰ جھوٹا ہے۔ کیونکہ ہمارا معاشرہ انتشار پذیر ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ بھائی بھائی کا قاتل ہے۔ لوگوں کو انصاف میسر نہیں۔ تو جب ہم محبت کے تقاضوں کو ہی پورا نہیں کر رہے ہوں تو ہم وطن سے محبت کے دعویٰ دار کیونکر ہو سکتے ہیں۔

ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کے
اس ملک کو رکھنا میرے بچو سنبھال کے

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 4) وطن سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے فرائض محنت
افرادِ وطن، اچھے طریقے سے سرانجام دیں۔ بددیانتی نہ کریں۔
خیانت نہ کریں۔ اس کے علاوہ وطن سے محبت کا ایک
تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم بیرونی قوتوں کے آلۂ کار نہ بنیں۔ دوسروں
کے زیرِ عتاب اپنے ملک کو نقصان ~~سر~~ نہ پہنچائیں۔ مزید یہ
کہ جب اگر کبھی اپنے وطن کے لیے کوئی کام کریں تو اسے اپنی
وجہ شہرت نہ بنائیں بلکہ اس کام کو خاموشی سے سرانجام
دیں۔ اپنے وطن کے لیے مرمٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں۔
اور دشمنوں کے ارادوں کو متزلزل کر دیں۔ انھیں انکے موقف
کے حصول سے روکیں۔
ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ ہمارا دل اپنے وطن کی محبت میں
دکھنا چاہیے۔ کہ اگر ہمارے ملک کو کوئی نقصان پہنچتا ہے
تو وہ نقصان ہم اپنا ذاتی نقصان سمجھیں۔ اگر اپنی
ذاتی مفادات کے بجائے ہم ملکی مفادات کے بارے میں سوچیں
گے تو تب ہی ہم صحیح طور پر "محب الوطن" کہلانے کے
لائق سمجھے جائیں گے۔
پس، محب الوطنی کے تقاضے بہت سخت ہیں۔ ہمیں
اپنی ذاتی نفسانی خواہشات کے بجائے وطن کی ترقی و
خوشحالی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ ملکی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح
دے کر اور ہمہ وقت وطن پر اپنی جان قربان کر کے ہی
ہم وطن سے محبت کرنے کے اصل حقدار ٹھہریں گے۔